بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

لبنان: شہنشاہ اور قزاق کی کہانی

خرم مراد

سینٹ آگسٹائن (م: ۴۳۰) کا مقام عیسائیوں کے ہاں وہی ہے جو ہمارے ہاں غزالی' ابن تیمیہ یا شاہ ولی اللہ کا۔ وہ ایک دلچسپ کہانی سناتے ہیں: ایک بحری قزاق کو پکڑ کے سکندر اعظم کے سامنے لایا گیا۔ سکندر نے اس سے پوچھا کہ تم سمندروں میں اتنے دھڑلے سے کیسے ڈاکا زنی کرتے پھرتے ہو؟ اس نے جواب دیا: حضور' آپ ساری دنیا میں بڑے دھڑلے سے ڈاکے مارتے پھر رہے ہیں! فرق صرف اتنا ہے کہ میں یہ کام ایک چھوٹے سے جہاز سے کرتا ہوں' اس لیے میں ڈاکو کہلاتا ہوں' حضور یہی کام ایک عظیم فوج اور بحری بیڑے کے ذریعے عالمی پیمانے پر انجام دیتے ہیں' اس لیے آپ کو شہنشاہ کہا جاتا ہے۔

اپنے ہاں تو ہم برابر یہی ڈراما ہوتا دیکھتے آرہے ہیں کہ ایک جنرل فوج کے بل پر ہمارے ملک پر قبضہ جما لیتا ہے' کچھ اور لوگ ہیں جو دونوں ہاتھوں سے قومی خزانہ لوٹتے رہتے ہیں' ان سب کو نجات دہندہ' وزیر اور افسر ہونے کا اعزاز و احترام بخشا جاتا ہے۔ ایک آدمی ایک کلاشنکوف لے کر ایک گھر کو لوٹ لیتا ہے' اس کو ڈاکو کا لقب دے کر اس سے نفرت کی جاتی ہے۔ لیکن بساط عالم پر' چھوٹے موٹے "دہشت گردوں" کے خلاف کارروائی کے نام پر' "شہنشاہ" امریکہ اور اس کے "کارندے" اسرائیل نے عرصے سے جو دہشت گردی مچا رکھی ہے' اس پر تو یہ کہانی بالکل ٹھیک صادق آتی ہے۔ اتنے فرق کے ساتھ ضرور کہ یہ چھوٹے چھوٹے "دہشت گرد" بھی' بالعموم' شوق قزاقی میں نہیں بلکہ تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق شہنشاہ کے ظلم کے خلاف ایسی کارروائیاں کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

جو قتل و غارت گری "شہنشاہ" یا ان کے اہالی و موالی خود کریں اور وہ بڑے پیمانے پر ہو' کتنی ہی ہولناک کیوں نہ ہو' نہ صرف بالکل جائز' جوابی یا دفاعی کارروائی ہوتی ہے' بلکہ مستحسن بھی ہوتی

ہے۔ اس کے خلاف ایک لفظ بھی منہ سے نکالنا مزاج شاہی کے لیے ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ دوسرے ' جیسے ریڈ انڈین ' فلسطینی ' مسلمان ' ایک راکٹ بھی پھینک دیں تو وہ ' ان کا پورا ملک ' عورتوں اور بچوں سمیت ان کی ساری آبادی ' ان کے معاشی وسائل ' سب کے سب حلال ہو جاتے ہیں ' قابل گردن زدنی اور مستحق ہلاکت و بربادی۔

اس دوغلے کردار کا تازہ ترین نمونہ وہ دہشت گردی ہے جو لبنان میں حال میں اسرائیل اور امریکہ نے کی ہے۔ روزنامہ انڈی پنڈنٹ ' لندن کا نامہ نگار ' رابرٹ فسک (Fisk) لکھتا ہے: "یہ تو قتل عام ہے! میں نے صبرہ و شاتیلا (۱۹۸۲) کے بعد بے گناہوں کو اس طرح ذبح ہوتے نہیں دیکھا ہے۔ جگہ جگہ عورتوں ' بچوں اور مردوں کی لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ کسی کے ہاتھ غائب ' کسی کی ٹانگیں ' کسی کا سر۔ امریکہ کے فراہم کردہ بم استعمال کیے گئے ہیں ' جو زمین سے ۱۲ فٹ اوپر پھٹتے ہیں ' زیادہ سے زیادہ ہلاکت پیدا کرتے ہیں اور اعضا کو کاٹ کاٹ کر جسم سے جدا کر دیتے ہیں۔ اقوام متحدہ کے کمپاؤنڈ میں خون کے نالے بہہ رہے ہیں۔ ایک فرانسیسی سپاہی ' ہاتھ میں تھیلا لیے ' کٹے ہوئے ہاتھ ' پاؤں اور انگلیاں جمع کر رہا ہے۔ شہریوں کو تو اسرائیل خوف ناک طریقے سے ذبح کر رہا ہے۔ ایک ایمبولینس کو میزائل سے تباہ کر دیا ' ایک جگہ دو بہنیں ' ایک جگہ ایک دو سالہ بچی ' اور ایک جگہ ۱۴ افراد پر مشتمل ایک گھر ' اسی طرح میزائلوں کا شکار ہو گئے" (۱۹ اپریل ' ۹۶)۔ یہ قانا ہے ' جہاں اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹر کے احاطے میں ' اسرائیلی ہوائی جہاز ۶۰۰ سے زائد پناہ گزینوں کو ۱۳ منٹ تک بموں اور میزائلوں کا نشانہ بناتے رہے۔

اسرائیل نے فوراً کہا کہ "یہ قتل عام غلطی سے ہو گیا"۔ ہمارے خلاف راکٹ اس احاطہ کے پاس سے فائر کیا گیا تھا۔ حالانکہ سارا پروپیگنڈا ہی یہ تھا کہ یہ ایسے میزائل ہیں جو سرجن کے چاقو کی طرح ٹھیک اپنے نشانے پر بیٹھتے ہیں ' غلطی کر ہی نہیں سکتے۔ مگر یو این والوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم نے تو دو دن قبل اسرائیل کو مطلع کر دیا تھا کہ ہمارے پاس ۵ ہزار لوگ پناہ لیے ہوئے ہیں۔ ادھر رابرٹ فسک نے وہ ویڈیو ہی حاصل کر لیا جس میں عین بم باری کے وقت اسرائیل کا نگراں و راہنما طیارہ (drone) احاطہ کے اوپر پرواز کرتے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس ویڈیو سے اسرائیل کے جھوٹ کا پول کھل گیا اور قطعاً ثابت ہو گیا کہ یہ ہلاکت عمداً نشانہ باندھ کر کی گئی۔ (انڈی پنڈنٹ ' ۴ مئی ' ۹۶)۔ ویڈیو کی دریافت کے بعد اسرائیل نے اپنا بیان بدل لیا: ہاں طیارہ وہاں موجود تو تھا ' مگر دوسرے مقاصد کے لیے۔ یو این کے ڈچ کمانڈر نے بھی اپنی خفیہ رپورٹ میں اسرائیل کو دانستہ بم باری کے لیے مورد الزام قرار دے دیا۔ لیکن امید نہیں کہ سیکرٹری جنرل ' بطروس غالی اس رپورٹ کو سیکورٹی کونسل میں پیش کریں گے ' کیونکہ امریکہ سخت خفا ہے کہ تحقیقات کیوں کرائیں ' اور کرائیں تو

یہ نتیجہ کیوں نکلا کہ ''شہنشاہ'' بھی بڑے پیمانے پر وہی کام کر رہا ہے جو ڈاکو کرتا ہے۔ امریکہ خفا ہو تو ان کے اگلے ۵ سال کی نوکری خطرہ میں پڑ جائے گی۔ اس کو اصرار ہے کہ ''قانا'' کو بھلا دیا جائے، دفن کر دیا جائے۔ اور اسرائیل تو اب اقوام متحدہ کی فوجوں کا وجود ہی لبنان سے ختم کرنے پر تلا بیٹھا ہے۔

حالات کی ستم ظریفی دیکھیے! کہنا پڑتا ہے کہ اچھا ہوا کہ قانا میں یہ قتل عام ہو گیا، ورنہ بے چارے لبنانیوں کی خیر نہ تھی۔ یہ اتنی بڑی ''غلطی'' ہوگئی کہ ''شہنشاہ'' نے فوراً اسرائیل کی جنگ بند کرا دینے میں ہی عافیت دیکھی۔ ورنہ ۱۰ روز سے روزانہ سیکڑوں ہوائی حملے ہو رہے تھے، دور مار توپیں بم باری کر رہی تھیں، بحری جہازوں نے ناکہ بندی کر رکھی تھی، ہر طرف سے بم، راکٹ اور میزائل برس رہے تھے۔ (۱۴ دن میں ۱۱۰۰ ہوائی حملے، ۲۳۰۰۰ شیل)، ۳۰۰ سے زیادہ لوگ ہلاک ہو چکے تھے، ۵ لاکھ کے قریب بے گھر ہو کر مارے مارے پھر رہے تھے، سرجیکل بم بیروت کے دو پاور ہاؤس تباہ کر چکے تھے۔ مگر بے شرمی کی حد یہ تھی کہ امریکہ اور برطانیہ کھل کر اسرائیل کی پیٹھ ٹھونک رہے تھے: ''ہر ملک کو اپنے دفاع کا حق ہے''۔ ''دہشت گردی کے خلاف مناسب اور جائز ردعمل ہے''۔

کہیں سے بھی اس وحشیانہ کارروائی کی مذمت میں چوں بھی نہ ہو رہی تھی۔ لبنان کے ''مسلمان عرب بھائی'' چپ سادھے ہوئے تھے۔ یا سر عرفات شمعون پیری سے معاہدہ کر کے مسکرا رہے تھے۔ لبنان نے ۱۵ اپریل کو سیکورٹی کونسل کا اجلاس بلایا، تو امریکہ نے ایسی تیوریاں چڑھائیں کہ وہ مذمت کا ایک حرف بھی پاس نہ کر سکی۔ حتیٰ کہ قانا کے قتل عام کی خبر کے بعد بھی کوئی کچھ نہ بولا۔ لبنانیوں کی جان کیسے بچتی، وہ تو قانا کے حادثے نے مجبور کر دیا کہ اسرائیل اور امریکہ اپنے منصوبے فی الحال ملتوی کر دیں اور دوڑ دھوپ کر کے، حافظ اسد کی خوشامد کر کے کسی طرح جنگ بندی کرا دیں۔ ۱۶ دن کے بعد جنگ بند ہوگئی، کم و بیش انھی شرائط پر جن پر ۱۹۹۳ کی اسرائیلی جنگ بند ہوئی تھی، اور جن شرائط کو اپنے حق میں تبدیل کرانے کے لیے ہی اسرائیل نے یہ غارت گری مچائی تھی۔

یہ حزب اللہ کی کس ''دہشت گردی'' کا ''جائز ردعمل'' اور اس کے خلاف ''جائز دفاع'' تھا؟ ۱۹۹۳ میں اسرائیل کے اسی قسم کے حملے کے بعد، اور تباہی مچنے کے بعد، جب امریکہ نے جنگ بند کروائی تو یہ طے پایا کہ دونوں، اپنے شہری علاقوں سے دوسرے کے شہریوں پر حملے نہیں کریں گے۔ حزب اللہ اپنے اس حق سے دست بردار نہیں ہوئی کہ وہ مقبوضہ لبنان میں اسرائیلی فوجیوں پر حملے جاری رکھے گی۔ چنانچہ ''موت کے متمنی'' مجاہدوں نے ایسی بے جگری سے حملے جاری رکھے کہ پتہ بھی کھڑکتا تو اسرائیلی فوجی کانپ جاتے۔ اپنے فوجیوں کی ہلاکت روکنے کے لیے اسرائیل نے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے شہریوں پر حملے شروع کر دیے، اور ہر حملے کو ''غلطی'' قرار دیتا رہا۔ حزب

اللہ نے جواب میں 'گلیلی میں قریات شمونہ پر راکٹ پھینکنا شروع کر دیے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ان راکٹوں سے ایک بھی اسرائیلی ہلاک نہ ہوا تھا--- بلکہ ۱۹۸۳ سے ' ۱۴سال کی مدت میں حزب اللہ کی جوابی "دہشت گردیوں" سے صرف ۱۳' اسرائیلی ہلاک ہوئے ہیں--- لیکن جب ایک اور فوجی ہلاک ہو گیا تو اسرائیل نے ۱۱' اپریل سے "سبق سکھانے" کا موجودہ آپریشن شروع کر دیا۔ لندن کے اکنامسٹ جیسے اسلام دشمن پرچے کو بھی کہنا پڑا" حزب اللہ کی کارروائیوں کو دہشت گردی قرار دینا تو دہشت گردی کی تعریف کو بہت زیادہ کھینچ دینا ہے۔ اول تو حزب اللہ اپنے ہی علاقے کو آزاد کرانے کے لیے حملے کر رہے تھے' اور یہ "جوابی" کارروائی تو "ایک آنکھ کے بدلے دو آنکھیں" نکال لینے کے مترادف ہے' بلکہ اس سے بھی زیادہ"۔

اسرائیلی حملے کے مقاصد فوجی نہیں' سیاسی تھے: ۱۹۹۳ کے معاہدے کی شرائط پر لڑنا (جو قانا کے واقعے کی وجہ سے نہ بدل سکیں)' عام آبادی کو حزب اللہ کا مخالف بنانا (بے تحاشا بم باری نے عیسائی مسلمان' شیعہ سُنّی سب کو ایک کر دیا)' لبنانی اور شام کی حکومتوں پر دباؤ ڈالنا (امریکی وزیر خارجہ کو "دہشت گرد" حافظ اسد کی خوشامد کرنا پڑی)' حماس کے حملوں میں ۵۹ اسرائیلیوں کے ہلاک ہونے پر بہنے والے اسرائیلی آنسو پونچھنا' اور سب سے بڑھ کر ۲۹ مئی کے انتخابات میں شمعون پیریز کی کامیابی کے امکان کو روشن بنانا۔ اگر دہشت گردی کی تعریف یہ ہے کہ سیاسی مقاصد کے لیے شہریوں کو نشانہ بنایا جائے' تو اسرائیل کا یہ حملہ ایک سو ایک فی صد دہشت گردی تھا۔ لیکن کیونکہ یہ کام شہنشاہ کے کارندے نے کیا' اس لیے کس کی مجال ہو سکتی ہے جو یہ کہے کہ "حضور' اصل اور بڑے ڈاکو تو آپ ہیں!"

لبنان کے خلاف اسرائیل کی دہشت گردی کی یہ واردات نہ نئی ہے نہ تعجب خیز۔ اسرائیل کے نزدیک جنوبی لبنان اور دریائے لیطانی کے پانی کا مالک وہ ہے۔ پھر جب ستمبر ۱۹۷۰ میں 'شاہ حسین نے ' اسرائیل اور امریکہ کی خوشنودی کی خاطر' ہزاروں فلسطینیوں کو قتل کر کے پی ایل او کو دربدر کیا' تو انھوں نے بھی لبنان میں ٹھکانہ بنایا اور وہاں سے اسرائیل کے خلاف کہیں کہیں چھوٹی موٹی کارروائیاں کر دیں۔ چنانچہ اب تک اسرائیل لبنان پر تین بہت بڑے اور بے شمار ان سے کم بڑے حملے کر چکا ہے۔ مارچ ۱۹۷۸ میں پہلے خونیں حملے میں ۲ ہزار ہلاک' ڈھائی لاکھ بے گھر' اور بے شمار علاقے تاخت و تاراج ہوئے۔ ۶ جون ۱۹۸۲ کو اسرائیل نے دوسرا حملہ شروع کیا۔ ستمبر میں بیروت پر قبضہ کر لیا' صبرہ و شاتیلا کیمپ عیسائی فوج کے حوالے کر دیا' جس نے وہاں ایسا قتل عام کیا کہ دنیا کو پہلی دفعہ کچھ پتہ چلا کہ "شہنشاہ" کیا کچھ نہیں کر رہے۔ یہ بھی پی ایل او کی "دہشت گردی" کے خلاف ردعمل تھا

جس میں ۴ سال میں ۲۹، اسرائیلی ہلاک ہوئے تھے! لیکن اس "ردعمل" کا نتیجہ: ۲۰ ہزار ہلاک (۴۰ ہزار صرف بیروت میں)، کیمپ اور بستیاں مسمار، لاکھوں بے گھر۔ تیسرا حملہ، اس نے جولائی ۱۹۹۳ میں کیا۔ ۱۹۸۳ کے بعد سے اس نے اپنی فوجیں داخل کرنے کی حماقت تو نہ کی مگر حالیہ آپریشن کی طرح جہازوں اور توپوں سے بے پناہ بم باری کر کے لاکھوں کو بے گھر کیا، اور سیکڑوں کو ہلاک۔ ان کے علاوہ، ۱۹۷۰ سے مسلسل حملے کر کے وہ لبنان میں جو ہلاکت مچاتا رہا ہے، اس کا تو ذکر یہاں ممکن نہیں۔ ۱۹۷۶ میں لبنانی فوج کا اندازہ یہ تھا کہ ہر دو دن میں تین دفعہ اسرائیلی حملے ہوئے ہیں، ۱۹۷۵ میں روزانہ ۷ احملے ہوئے، اکتوبر ۱۹۷۷ تک جنوب سے مستقل پناہ گزینوں کی تعداد ۳۰ ہزار تک پہنچ چکی تھی۔

لبنان کے خلاف کارروائیاں بھی ایک بڑی کہانی کا حصہ ہیں۔ اسرائیل کی پیدائش ہی دہشت گردی کے نتیجے میں ہوئی ہے، وہ قائم بھی دہشت گردی کے بل پر ہے۔ لیکن آگسٹائن کی کہانی یہ بخوبی واضح کر دیتی ہے کہ فن کاری کا کمال یہ ہے کہ یہ دہشت گردیاں کرنے والے، سب کچھ کرنے کے بعد بھی، خود "شہنشاہ" بنے رہتے ہیں۔ اور باقی سب کو "ڈاکو" قرار دے کر ان کی سرکوبی کرتے رہتے ہیں۔ کون سی کارروائی دہشت گردی ہے، اس کا انحصار اس پر نہیں کہ "کیا کارروائی ہوئی"، "کیوں" ہوئی بلکہ اس پر ہے کہ "کس" نے کی۔ بین الاقوامی دہشت گردی کے خلاف امریکہ کے سارے جوش و خروش اور مہم آرائی کا مقصد دہشت گردی کا انسداد نہیں، بلکہ اپنے اہداف کی تکمیل، اپنے مفادات کا حصول اور تحفظ، اپنے مخالفین کی سرکوبی اور اپنے اور اسرائیل کے جرائم پر پردہ ڈالنا ہے۔

اسرائیل کی دہشت گردیاں رپورٹ نہیں ہوتیں، رپورٹ ہو جائیں تو ہر کارروائی دہشت گردی کے خلاف "جائز ردعمل" اور اپنے "حق دفاع کا استعمال" شمار ہوتی ہے۔ دوسروں کا ہر فعل، خواہ اپنی آزادی اور حقوق کے لیے ہو، یا ردعمل کے طور سے، دہشت گردی شمار ہوتا ہے۔ ہوائی جہاز کے اغوا کی پہلی واردات، اسرائیل نے کی، جب ۱۹۵۴ میں اس کے فائٹرز نے ایک شامی ہوائی جہاز کو لدہ کے ایرپورٹ پر اتار لیا۔ اس وقت کے وزیراعظم موشے شیرٹ کی ڈائری کے مطابق: "چیف آف اسٹاف موشے دایان کا مقصد مسافروں کو یرغمال بنانا تھا تاکہ شام سے اسرائیلی جنگی قیدی رہا کرائے جا سکیں"۔ پہلا سیاسی قتل ۱۹۴۸ میں اسرائیل نے کیا، جب یو این کے صلح کنندہ، کاونٹ برناڈوٹ کو اسرائیلیوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس ہلاکت کے ذمہ دار تین کمانڈروں میں سے ایک، اسحاق شامیر تھے، جو بعد میں وزیر خارجہ رہے، دوسرے وزیراعظم بن گوریان کے گہرے دوست تھے۔ امریکہ اور اسرائیل وہ پہلے ملک ہیں جنھوں نے بالترتیب ایران (۱۹۸۱) اور لیبیا (۱۹۷۳) کے مسافروں سے بھرے طیارے مار گرائے۔ اسی طرح اسرائیل کی بحریہ، مسافروں سے بھری کشتیاں اور

چھوٹے جہاز اغوا کر کے عیسائیوں کے حوالے کرتی رہی ہے، جو انھیں موت کے گھاٹ اتارتے رہے ہیں۔

شہریوں کو قتل کرنا، ان کی بستیوں کو مسمار کرنا، ان کو گھروں سے نکال کر بے گھر کرنا—— یہ تو اسرائیل کے لیے آغاز ہی سے معمول کی کارروائیاں رہی ہیں۔ افسانہ تو یہ گھڑا گیا کہ فلسطینی خود گھر اور زمینیں چھوڑ چھوڑ کر چلے گئے، لیکن اب تو خود اسرائیلی مورخین مثلاً بنی مارس (Morris)، الوی سلائم (Shalaim) اور آئی لین پیٹی (Patty) سرکاری دستاویزات کی بنیاد پر یہ حقیقت تسلیم کر رہے ہیں کہ ایک منظم اور سوچے سمجھے منصوبے کے تحت آبادیوں کی آبادیاں موت کے گھاٹ اتاری گئیں، لوگوں کو بھاگنے پر مجبور کیا گیا، ان سے جبراً کاغذات دست برداری پر دستخط کرائے گئے۔ اسرائیلی وزیراعظم بیگن کی دہشت گرد تنظیم نے اپریل ۴۸ ہی میں دیریاسین نامی بستی کے ۲۵۰ نہتے باشندوں کو جن میں ۱۰۰ سے زائد عورتیں اور بچے شامل تھے، موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اور اپنے مبارک بادی تار میں کہا: ”جس طرح دیریاسین میں، اس طرح ہر جگہ.... اے رب، اے رب! آپ نے ہمیں فتح کے لیے چن لیا ہے“۔ اسی طرح ایریل شیرون کی سرکردگی میں 'یونٹ ۱۰۱' نے اگست ۵۳ میں غزہ میں البریج کیمپ پر حملہ کر کے ۵۰ پناہ گزین قتل کر دیے، پھر اکتوبر ۵۳ میں اردن میں قبیہ نامی گاؤں پر حملہ کر کے اسے پورا تہس نہس کر دیا۔

لبنان میں اسرائیل کی وحشیانہ کارروائیوں کی امریکہ کی طرف سے مکمل حمایت اور پشت پناہی بھی کوئی نئی بات نہیں ہے۔ امریکہ شروع ہی سے اسرائیل کے سارے جرائم میں اس کی بھرپور مدد کرتا رہا ہے۔ یہ امریکہ ہی ہے جو اسرائیل کو سب سے بڑھ کر زیادہ سے زیادہ مالی امداد دیتا رہا ہے، وہ بہترین اسلحہ فراہم کرتا رہا ہے جن کے ذریعے اس نے کشت و خون کر کے اپنے سیاسی مقصد حاصل کیے ہیں۔ اس نے اسرائیل کے انسانیت کش جرائم کی مذمت تک نہیں ہونے دی ہے، الٹا ان پر پردہ ڈالا ہے اور ان کو جائز اور مبنی برحق بنا کر پیش کیا ہے، اور اس کی پیٹھ ٹھونکی ہے۔ گویا امریکہ نے اسرائیل کو کھلا لائسنس فراہم کیے رکھا ہے کہ جہاں چاہے گھس جائے، جس کو چاہے مارے، جس بستی کو چاہے تباہ کر دے، جن کو چاہے گھروں سے نکال دے، جس زمین پر چاہے قبضہ کر لے۔ اس تعاون و پشت پناہی میں حکمران، سیاست دان، دانش ور اور میڈیا، سب ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔

مثال کے طور پر، ۱۹۷۸ تا ۱۹۸۲ کے دوران امریکہ نے اپنی کل عالمی فوجی امداد کا ۴۸ فی صد اور اقتصادی امداد کا ۳۵ فی صد حصہ تنہا اسرائیل کو دیا۔ جب اسرائیل نے دہشت گردی کی کوئی بڑی

کارروائی انجام دی، امریکہ نے اس کی پیٹھ بھی ٹھونکی اور اس کو خصوصی امداد کا تحفہ بھی دیا۔ ۱۹۸۲ میں بیروت پر حملہ اور قتل عام کے فوراً بعد صدر ریگن نے اسرائیل کے لیے اڑھائی ارب ڈالر کی امداد کی تجویز کانگریس کو بھیجی۔ کانگریس کو مسئلہ یہ درپیش تھا کہ اسرائیل کو "سزا" دینے کے لیے امداد میں یہ اضافہ کافی ہے، یا مزید اضافے کی ضرورت ہے۔

اکتوبر ۱۹۸۵ میں اسرائیل نے تیونس پہنچ کر پی ایل او کے ہیڈکوارٹر پر امریکہ کے دیے ہوئے وہ تیز و ذہین (smart) بم برسائے جنھوں نے ۷۵ شہریوں کو خاک بنا کر رکھ دیا۔ اسی امریکہ نے اس بم باری کا سرکاری طور پر خیرمقدم کیا اور اسے دہشت گردی کے خلاف ایک جائز جواب قرار دیا۔ اس کے صلے میں صدر ریگن نے ۱۷ اکتوبر کو وزیراعظم شمعون پیری کا واشنگٹن میں والہانہ استقبال کیا اور کہا آج امریکہ اور اسرائیل کے درمیان "غیر معمولی" ہم آہنگی ہے۔ ظاہر ہے کہ امریکہ اسرائیلی جہازوں کے تیونس جانے سے بے خبر کس طرح ہو سکتا تھا۔ ساتھ ہی دونوں نے "دہشت گردی" کی لعنت کا مقابلہ کرنے اور اسے "امن" کی راہ میں حائل نہ ہونے دینے کے عزم کا اعلان کیا۔ اور اب اپریل ۱۹۹۶ میں لبنان میں یہ ساری دہشت گردی مچانے کے بعد، شمعون پیری پھر واشنگٹن گئے ہیں تاکہ "دہشت گردی" کے مقابلے کے لیے خصوصی آلات و اسلحہ اور امداد حاصل کر سکیں۔

بیروت میں قتل عام کے بعد، ۲۶ جون، ۱۹۸۳ کو جب سیکورٹی کونسل نے متفقہ طور پر اسرائیل اور پی ایل او دونوں سے مطالبہ کیا کہ وہ وہاں سے اپنے فوجی دستے ہٹا لیں، تو یہ امریکہ تھا جس نے اس قرارداد کو ویٹو کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب بھی اسرائیل کے کسی بھی اقدام کی مذمت میں کوئی بھی قرارداد پیش ہوئی تو امریکہ نے اس کی مخالفت کی، پاس ہوئی تو اسے ویٹو کر دیا، یہاں تک کہ مسجد الخلیل میں ایک اسرائیلی انتہا پسند کی طرف سے نمازیوں کے قتل عام کی مذمت کو بھی اس نے ویٹو کر دیا۔ اور اب تو سیکورٹی کونسل کو اجلاس کرنے اور بحث کرنے کی بھی جرات نہ ہوئی، مذمت تو بہت دور کی بات ہے۔

اس میں کسی شک کی گنجایش نہیں کہ امریکہ، اسرائیل کے تمام جرائم میں برابر کا شریک ہے۔ لیکن یہ بات ضرور بحث طلب ہے کہ امریکہ یہودی لابی کے زیراثر، اسرائیل کا تابع مہمل بنا یہ سب کچھ کر رہا ہے، یا فی الواقع ڈوری کا سرا اسی کے ہاتھ میں ہے، اور اسرائیل روز اول سے مشرق وسطیٰ میں امریکہ کے عالمی اہداف و مقاصد کے حصول کے لیے اس کے آلہ کار کے طور پر یہ سارے کام انجام دے رہا ہے۔ "یہودی اثرات و طاقت" اور "یہودی سازشوں" کے وجود کے بارے میں بھی دلائل کمزور نہیں، لیکن ہمیں دوسری بات زیادہ قرین قیاس لگتی ہے کہ اصل مجرم امریکہ ہے، اور اسرائیل اس کا کارندہ۔ اگر امریکہ رسی دراز نہ کرتا، تو اسرائیل قائم ہی نہ ہو سکتا تھا، یہ سب کارروائیاں تو

دور کی بات ہے - قرآن بھی یہی کہتا ہے کہ یہود کو ذلت و مسکنت سے اگر کچھ نجات ملے گی تو وہ حَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ کے نتیجے میں -

دراصل امریکہ نے تو دوسری جنگ عظیم کے دوران ہی عالمی غلبہ و تسلط کا منصوبہ بنا لیا تھا - ۱۹۴۶ سے لے کر آج تک ' گذشتہ نصف صدی میں وہ بڑی خوب صورتی سے اس منصوبے کو عملی جامہ پہناتا رہا ہے - یہاں تک کہ آج وہ اس پوزیشن میں ہے کہ کہہ سکے کہ "۲۱ ویں صدی ' امریکہ کی صدی ہے" - کیوں کہ آج "ہم چوما دیگرے نیست" اور "من اشدمناقوۃ" (فارن افیرز ' مارچ اپریل ۹۶ ' ص ۲۰ تا ۵۴) - یہ ایک الگ بڑا اہم مگر تفصیل طلب موضوع ہے ' جسے ہم کسی دوسرے وقت کے لیے اٹھا رکھتے ہیں - بہرحال مشرق وسطیٰ کی حد تک امریکہ نے اپنے اسٹرے ٹیجک اہداف ڈھکے چھپے نہیں رکھے ہیں - اسرائیل فی نفسہ امریکہ کے لیے کوئی اسٹرے ٹیجک اثاثہ (asset) نہیں ' اصل اہمیت تیل کی ہے ' مارکیٹ کی ہے - ۱۹۴۵ میں اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ اس نتیجے تک پہنچ چکا تھا کہ "سعودی عرب اسٹرے ٹیجک پاور کا ایک عظیم مخزن ہے - یہ عالمی تاریخ میں سب سے بڑا مادی انعام ہے" - چنانچہ اس انعام کو جیتنے اور اپنے قبضے میں رکھنے کا امریکہ نے تہیہ کر لیا - اسی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اربوں پٹرو ڈالر بھی امریکہ کے معیشت کے اندر رہنا چاہییں -

اس مقصد کے لیے اس نے برطانیہ ' فرانس اور یورپ کو مشرق وسطیٰ سے نکال باہر کیا ' یونان اور ترکی پر تسلط قائم کیا اور ہر عرب ملک میں ایسے جابر و مستبد حکمران مسلط کیے جن کا اقتدار اس کی حمایت کا محتاج ہو - اسی منصوبے کی تکمیل کے لیے امریکہ نے اسرائیل کو اپنی پٹھو ریاست (client state) کے طور پر قائم کیا ' مضبوط کیا ' طاقت ور بنایا ' یہاں تک کہ آج وہ فوجی لحاظ سے مشرق وسطیٰ کی سب سے طاقت ور ریاست ہے - اس کے پاس کم سے کم ۲۰۰ ایٹم بم ہیں ' جن کا تذکرہ امریکہ میں ممنوع ہے - اس لیے اس نے ہر برے بھلے وقت میں اسرائیل کا پورا ساتھ دیا ' اس کی ہر حرکت کی پوری پشت پناہی کی ' کیونکہ اس حرکت کا نفع امریکہ کے کھاتے میں جاتا تھا - مصر سب سے بڑا عرب ملک تھا - سادات نے یروشلم کا "حج" بھی کیا ' آنکھیں بند کر کے کیمپ ڈیوڈ معاہدے پر دستخط بھی کیے - امریکی وزیر دفاع ولیم پیری کے الفاظ میں "مصر سے ہم وہ سب کچھ کرا سکتے ہیں جو چاہتے ہیں" - پی ایل او چند میونسپلیٹیاں لے کر فلسطینیوں کو دبانے میں اسرائیل کی شریک کار ہو گئی: اس وقت اس کی جیلوں میں ۱۳ ہزار قیدی ہیں - عراق تباہ و برباد ہے - ایران کمزور ہے ' اس کے گلے میں پھندا کسا جا رہا ہے - چھوٹی چھوٹی ریاستیں کویت ' امارات ' عمان ' قطر ' امریکن اڈوں میں تبدیل ہو چکی ہیں - لبنان میں اسرائیل نے اتنی ہولناک کارروائی کی ' مگر کسی عرب ملک نے چوں تک نہ کی - حالانکہ دنیا کے ان ۱۰ ملکوں میں سے جو سب سے زیادہ فوجی اسلحہ اور ساز و سامان خریدتے ہیں سات عرب

ممالک ہیں۔ مطلوبہ پرائز امریکہ کے قبضے میں ہے۔ ۵۰ سال میں امریکہ نے جو کچھ حاصل کر لیا ہے، کیا اسرائیل کی حمایت و پشتیبانی کا یہ نفع کچھ کم ہے۔ اسرائیل نے کیا حاصل کیا ہے؟ ایک ریاست جو مستقل دشمنوں سے گھری ہوئی ہے، خطرے میں ہے، امریکہ کے رحم و کرم پر ہے۔ اس کے "عظیم تر اسرائیل" اور "مشرق وسطیٰ پر تسلط کے منصوبے اب تک خواب و خیال ہیں۔ ہاں، اس نے امریکہ کے خوابوں کو حقیقت بنانے میں اپنا کلیدی کردار ادا کر دیا ہے۔

یہ بربریت اور درندگی، یہ دھوکے اور فریب کا کاروبار، یہ غیر انسانی اور انسانیت سوز حرکات کیوں کر ممکن ہو رہی ہیں؟ اسباب کیا ہیں؟ جڑیں کہاں ہیں؟

جہاں تک لبنان کے خلاف طویل دہشت گردی کا تعلق ہے، تو اس کا اصل سبب اسرائیلی اہداف ہیں۔ ان اہداف کی تکمیل میں مکمل ساتھ دینا یقیناً امریکی مفاد میں بھی ہے، اگرچہ بعید نہیں کہ امریکہ کے پیش نظر ان ۲۴۱ فوجیوں کا انتقام بھی ہو، جن کو حزب اللہ نے اکتوبر ۸۳ میں بم سے اڑا دیا تھا۔ اسرائیل کا طویل المعیاد ہدف اس دستاویز سے واضح ہے جو ۱۹۱۹ میں ورلڈ زایانسٹ آرگنائزیشن نے، ورسیلز کانفرنس کو دیا تھا۔ اس دستاویز میں مطلوبہ عظیم تر اسرائیل میں دریائے لیطانی تک پورا جنوبی لبنان شامل ہے۔ چنانچہ ۱۹۴۸ سے ہر اسرائیلی لیڈر جنوبی لبنان پر قبضہ کرنا اپنا حق سمجھتا آیا ہے۔ ۱۹۴۸ میں جب اسرائیل قائم ہوا تو پہلے وزیر اعظم بن گوریاں نے کہا: "لبنان میں ایک عیسائی حکومت قائم ہونا چاہیے، جس کی جنوبی سرحد دریائے لیطانی ہو"۔

موشے شیرٹ اپنی ۱۹۵۵ کی ڈائری میں لکھتا ہے: موشے دایان کا کہنا ہے کہ ہم کو صرف ایک میجر چاہیے، جس کو ہم جیت لیں یا خرید لیں، اور جو خود کو عیسائیوں کا نجات دہندہ قرار دے۔ بس پھر اسرائیلی فوج لبنان میں داخل ہو جائے گی، ایک عیسائی حکومت قائم کر دے گی، اور دریائے لیطانی کے جنوب کا سارا علاقہ اسرائیل میں شامل کر لیا جائے گا۔ یہ کام ہمیں فوراً --- بلکہ کل --- ہی کر لینا چاہیے"۔ اسرائیل کی بدقسمتی سے فلسطینیوں اور ان کے بعد حزب اللہ کی جرات نے ان کا یہ منصوبہ درہم برہم کر دیا۔ ۲۳ سال بعد، ۱۹۷۸ کے حملہ میں وہ جنوبی لبنان میں ایک میجر سعد مراد تلاش کر پایا، اور ایک عیسائی حکومت قائم کر دی۔ پھر ۱۹۸۲ میں اس نے بیروت پر قبضہ کر کے، فلسطینیوں کا قلع قمع کیا۔ لیکن اب حزب اللہ میدان عمل میں آگئی۔ بقول کسے "فلسطینی تو مارنے کا مقصد لے کر آئے تھے، حزب اللہ کے مجاہد مرنے کی تمنا لے کر آتے ہیں"۔ ان کا مقابلہ کس طرح ممکن تھا۔ چنانچہ آج ۱۴ سال ہو گئے ہیں، مگر اسرائیلی فوجی کسی طرح جنوبی لبنان پر قبضہ نہیں رکھ پا رہے۔ حزب اللہ ۹۰ سے اوپر فوجیوں کو ہلاک کر چکی ہے، وہ ان کے خوف سے کانپتے رہتے ہیں۔ یہ نقصان اسرائیل کے لیے زبردست نقصان ہے۔ اسرائیل کی ساری دہشت گردی ۱۹۱۹ کے عظیم تر اسرائیل کی جستجو میں اور

حزب اللہ کے خلاف غم و غصہ کی وجہ سے ہے۔

یہ اسباب تو اسٹرے ٹیجک ہیں۔ بربریت کی اصل جڑیں ہمیں بہ آسانی مغرب کی تہذیب، کلچر اور تاریخ میں مل جائیں گی۔ ان جڑوں کی نقاب کشائی بھی آگسٹائن کی کہانی بہ خوبی کرتی ہے۔ اپنی تہذیبی و نسلی فوقیت کے نشے میں خود کو شہنشاہ سمجھنا اور اپنے لیے ہر کارروائی جائز سمجھنا، اور جو راہ میں حائل ہوں، ان کو "دو ٹانگوں کے وحشی جانور" قرار دے کر ان کا صفایا کرنا۔ ابھی بوسنیا میں جو نسلی صفائی ہوئی، ۶ لاکھ کی بات تو افسانہ ہی ہے لیکن مہذب یورپ میں خود یہودیوں کے ساتھ جو کچھ ہوا، امریکہ نے ریڈ انڈینوں کا جس طرح صفایا کیا۔ ہٹلر امریکہ پر رشک کرتا ہوا مرگیا کہ اس نے اپنی نسلی اقلیت، ریڈ انڈین کا مسئلہ کتنی خوش اسلوبی اور خاموشی سے حل کر لیا کہ وہ ۲۰ لاکھ سے صرف ۲ لاکھ رہ گئے۔ یہ چند نمونے اسی "تہذیب اور کلچر" کے ہیں۔

جارج واشنگٹن لکھتا ہے: انڈینوں میں، کوئی چیز انسانی نہیں، سوائے شکل کے۔ جیسے ہماری آباد کاری بڑھے گی، ہم ان وحشیوں کو، بھیڑیوں کی طرح، نکال باہر کرتے رہیں گے۔ دونوں ہی شکاری درندے ہیں، خواہ شکل میں مختلف ہوں۔ اسرائیل بھی اسی ذہن اور تہذیب کی پیداوار ہے۔

ہم نے یہ کہانی اس لیے کھول کر بیان نہیں کی کہ ہم امریکہ اور اسرائیل کے خلاف دل کی بھڑاس نکالنا چاہتے ہیں، یا امریکہ اور اسرائیل کی دہشت گردیوں کی نقاب کشائی اور ان کے کلچر و تہذیب میں اس کی جڑوں کی نشان دہی کر دینے کو کافی اور مسئلے کا حل تصور کرتے ہیں۔ ہاں، ہم امریکہ اسرائیل اور دیگر مغربی طاقتوں اور مغرب کے ناواقف عوام کے سامنے، ان کے مہذب ہونے، حقوق انسانی کا علمبردار ہونے اور دہشت گردی کا دشمن ہونے کے دعاوی اور عزائم کے حوالے سے، پوری حجت قائم کرنا ضروری اور مفید سمجھتے ہیں۔ ساتھ ہی ہم یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ خود مسلمانوں کو بین الاقوامی سیاست کاری کا صحیح ادراک اور شعور حاصل ہو۔ انھیں معلوم ہو کہ "شہنشاہ" کس طرح بے گناہوں کو "دہشت گرد" قرار دیتے ہیں، چھوٹے چھوٹے "دہشت گردوں" کے خلاف زبردست شور و غل مچاتے ہیں، اور پوری پوری قوموں کو "دہشت گردی" کے الزام میں صلیب پر چڑھاتے ہیں، لیکن اس طرح وہ عام لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہیں اور عالمی پیمانے پر اپنی بڑی بڑی فوجی طاقتوں سے دہشت گردی مچانے کے جرائم پر تہذیب کا پردہ ڈالتے ہیں۔

مسئلہ کی اصل جڑ تو ہمیں اپنے اندر ہی تلاش کرنا ہوگی، اس کا حل بھی اپنے اندر ہی سے نکالنا ہو گا۔ ورنہ ہم ہر "لبنان"، ہر "بوسنیا"، ہر "چیچنیا"، ہر "کشمیر" اور ہر "فلسطین" پر خون کے آنسو تو ضرور بہا سکتے ہیں، ان کے دوبارہ وقوع پذیر ہونے کو نہیں روک سکتے۔ دشمن سے گلے کا کیا فائدہ اور کیا جواز، کہ تم نے ہمارے ساتھ دشمنی کیوں کی، اور اتنی وحشیانہ دشمنی کیوں کی۔ اگر ذلت و

مسکنت، لاچاری و ناطاقتی ہمارا مقدر بن چکی ہے تو اس کی اصل وجہ ہمارے اندر ہے، اگر دشمن ہمارے اوپر مسلط ہے تو اس کا باعث ہم خود ہیں۔ صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے میں شک کی کیا گنجایش ہے ھی اعمالکم ترد علیکم (یہ تمھارے ہی اعمال ہیں جو تمھیں واپس کیے جا رہے ہیں) فمن وجد خیر الفلیحمد اللہ ومن وجد غیر ذالک فلایلومن الانفسہ "بس جو بھلائی اور خیر پائے وہ اللہ کا شکر کرے، اور جو اس کے خلاف کچھ پائے، وہ اپنے علاوہ کسی کو ملامت نہ کرے"۔

حکمرانوں کی بے حسی اور امریکہ کی غلطی پر بھی ہم جتنے آنسو بہائیں کم ہے۔ لیکن اس کا بھی کوئی حاصل نہیں۔ یہ حکمران اسی وقت تک ہمارے اوپر مسلط ہیں، اور رہ سکتے ہیں، اور اسی وقت تک قوم کو فروخت کر سکتے ہیں، اور ارزاں فروخت کر سکتے ہیں، جب تک قوم بحیثیت مجموعی ان کو برداشت کر رہی ہے، اور ان کے پھندے سے آزاد ہونے کے لیے کچھ کرنے کو تیار نہیں۔

مایوسی کی بھی کوئی بات نہیں۔ گذشتہ چند برسوں میں ہونے والے واقعات یقیناً غم ناک ہیں، مایوسی کا کینسر بھی پیدا کرتے ہیں، لیکن ہم کو اپنا زاویہ نظر وسیع کرنا ہوگا۔ نصف صدی کی مدت، حیات اجتماعی میں کوئی طویل مدت نہیں ہوتی۔ اگر ہم ۱۹۴۶ اور ۱۹۹۶ کا موازنہ کریں؟ تو ہم دیکھیں گے کہ امت کے جسد بے جان میں زندگی کی لہرنے دوڑنا شروع کر دیا ہے۔ سیکڑوں سال کی بیماری پلک جھپکتے میں دور نہیں ہو سکتی، نہ قعر ذلت سے اٹھ کر کوئی قوم اچانک بام عزت پر پہنچ سکتی ہے، لیکن امت کے مقصد اصلی کے شعور، اس کے ساتھ وابستگی، اس کے لیے سعی و جہد اس کے مخالفین کی مزاحمت میں نمایاں اضافہ ہوا ہے، بلکہ یہ سارے اثاثے کم و بیش اسی نصف صدی کی پیداوار ہے۔

ضرورت اس کی ہے کہ جو جاگ رہے ہیں، وہ دوسروں کو جگائیں، جو کھڑے ہیں وہ دوسروں کو کھڑا کریں، جو چل رہے ہیں وہ دوسروں کو چلائیں۔ گہری للہیت اور پر جوش انقلابیت کے ساتھ متحد ہو کر ہم آگے بڑھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری مدد نہ کرے، اور من بعد غلبھم سیغلبون (الروم) کی صبح نہ طلوع ہو۔

ہماری قوت کا خزانہ اللہ پر ایمان اور اللہ کے ساتھ وابستگی میں ہے۔ ہمارے غلبے کا راز اللہ کے دین کے لیے، رسالت کے مشن کی تکمیل کے لیے، جان و مال کی بازی لگا دینے میں ہے۔ ہماری طاقت کا راز اس امت کو متحد رکھنے اور اس کا دائرہ وسیع کرنے میں ہے۔ جو کان دھرنے کو تیار ہو، جس کے پاس دل دردمند ہو، وہ آگے بڑھے، اور لبیک کہے۔ قطرہ قطرہ دریا بنتا ہے۔ کشمیر میں مٹھی بھر لوگ ۶ لاکھ فوج کا ناطقہ بند کیے ہوئے ہیں۔ چیچنیا میں مٹھی بھر مجاہدین نے ایک سپرپاور کو لاچار کر دیا ہے، لبنان میں مٹھی بھر حزب اللہ نے شہنشاہ اور اس کے کارندے کو ناکوں چنے چبوا دیے ہیں۔ کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ (البقرہ ۲:۲۴۹)۔